حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

نام ونسب :۔ حسنؑ نام مجتبیٰ لقب اور ابو محمد کنیت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معزز بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کے بطن سے حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالبؑ کے بڑے فرزند تھے۔

ولادت :۔ ۱۵ر رمضان المبارک کو ہجرت کے تیسرے سال آپ کی ولادت ہوئی ۔ رسولؐ کے گھر میں آپ کی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی ۔ جب مکہ معظمہ میں رسولؐ کے بیٹے یکے بعد دیگرے دنیا سے جاتے رہے اور سوائے لڑکی کے آپ کی اولاد میں کوئی نہ رہا تو مشرکین طعنے دینے لگے اور آپ کو معاذ اللہ ابتر یعنی مقطوع النسل کہنے لگے اس سے آپ کو بڑا صدمہ پہنچا اور آپ کی تسلی کے لئے قرآن مجید میں سورۂ کوثر نازل ہوا جس میں آپ کو خوش خبری دی گئی کہ خدا نے آپ کو کثرت اولاد عطا فرمائی ہے اور مقطوع النسل آپ نہیں بلکہ آپ کا دشمن ہوگا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی مدینہ میں آنے کے تیسرے ہی سال پیدائش گویا سورۂ کوثر کی پہلی تفسیر تھی ۔ دنیا جانتی ہے کہ امام حسنؑ اور ان کے چھوٹے بھائی امام حسینؑ کے ذریعہ سے اولاد رسولؐ کی وہ کثرت ہوئی کہ باوجود ان کوششوں کے جو دشمنوں کی طرف سے اس خاندان کے ختم کرنے کی ہمیشہ ہوتی رہیں جن میں ہزاروں کو سولی دے دی گئی ہزاروں تلواروں سے قتل کیے گئے اور کتنوں کو زہر دیا گیا اس کے باوجود آج تک دنیا آل رسولؐ کی نسل سے چھلک رہی ہے عالم کا کوئی گوشہ مشکل سے ایسا ہوگا جہاں اس خاندان کے افراد موجود نہ ہوں جبکہ رسولؐ کے دشمن جن کی اس وقت کثرت سے اولاد موجود تھی ایسے فنا ہوئے کہ نام ونشان بھی ان کا کہیں نظر نہیں آتا ۔ یہ ہے قرآن کی سچائی اور رسولؐ کی صداقت کا زندہ ثبوت جو دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ کے لئے موجود ہے اور اس لئے امام حسن علیہ السلام کی پیدائش سے پیغمبرؐ کو ویسی ہی خوشی نہیں ہوئی جیسی ایک نانا کو نواسے کی ولادت سے ہونا چاہیے بلکہ آپ کو خاص مسرت یہ ہوئی کہ آپ کی سچائی کی پہلی نشانی دنیا کے سامنے آئی ۔ ساتویں دن عقیقہ کی رسم ادا ہوئی اور پیغمبرؐ نے بحکم خدا اس فرزند کا نام حسنؑ رکھا ۔ یہ نام اسلام کے پہلے نہیں ہوا کرتا تھا یہ سب سے پہلے پیغمبرؐ کے اسی فرزند کا نام قرار پایا ۔ یا حسینؑ ان کے چھوٹے بھائی کا نام بھی بس انہی سے مخصوص تھا ، ان کے پہلے کسی کا یہ نام نہ ہوا تھا ۔

تربیت :۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو تقریباً آٹھ برس اپنے نانا رسول اللہ کے سایۂ عاطفت میں رہنے کا موقع ملا رسالت مآبؐ اپنے اس نواسے سے جتنی محبت فرماتے تھے اسکے واقعات دیکھنے والوں نے ہمیشہ یاد رکھے اکثر حدیثیں محبت اور فضیلت کی حسنؑ اور حسینؑ دونوں صاحب زادوں میں مشترک ہیں مثلاً حسنؑ اور حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں ۔ دونوں گوشوارۂ عرش ہیں ، یہ دونوں میرے گلدستے ہیں ، خداوندا میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھنا اور اس طرح کے بے شمار ارشادات پیغمبرؐ کے دونوں نواسوں کے بارے میں کثرت سے ہیں ۔ ان کے

علاوہ ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ اولاد کی نسبت باپ کی جانب ہوتی ہے مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان دونوں نواسوں کی یہ خصوصیت صراحت کے ساتھ بتائی کہ انہیں میرا نواسا ہی نہیں بلکہ فرزند کہنا درست ہے۔

یہ حدیث حضرت کی تمام اسلامی حدیث کی کتابوں میں درج ہے حضرت نے فرمایا: خدا نے ہر شخص کی اولاد کو اسکے باپ کے صلب میں قرار دیا اور میری اولاد کو اس نے علیؑ ابن ابی طالبؑ کی صلب سے قرار دیا پھر بھلا ان بچوں کی تربیت میں پیغمبرؐ کس قدر اہتمام صرف کرنا ضروری سمجھتے ہوں گے جبکہ خود بچے بھی وہ تھے جنہیں قدرت نے طہارت وعصمت کا لباس پہنا کر بھیجا تھا۔ ایک طرف آئینے اتنے صاف اس پر رسولؐ کے ہاتھ کی جلا، نتیجہ یہ تھا کہ بچے کم سنی ہی میں نانا کے اخلاق و اوصاف کی تصویر بن گئے۔ خود حضرت نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حسن میں میرا رعب وداب اور شان سرداری ہے اور حسینؑ میں میری سخاوت اور میری جرأت ہے۔ شان سرداری گو مختصر لفظ ہے مگر اس میں بہت سے اوصاف وکمال کی جھلک نظر آرہی ہے اس کے ساتھ ساتھ مختلف صورتوں سے رسولؐ نے بحکم خدا اپنے مشن کے کام میں ان کو اسی بچپن کے عالم میں شریک بھی کیا جس سے یہ ثابت بھی ہوا کہ پیغمبرؐ اپنے بعد بمنشاء الٰہی حفاظت اسلام کی مہم کو اپنے ہی اہل بیتؑ کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا ایک موقع مباہلہ کے میدان میں تھا حضرت امام حسنؑ بھی اپنے نانا کے ساتھ ساتھ تھے

۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور امام حسن علیہ السلام اس مسرت اور اطمینان کی زندگی سے محروم ہوگئے۔ نانا کی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد امام حسنؑ کو اپنی مادر گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ اب حسنؑ کے لئے گہوارہ تربیت اپنے مقدس باپ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ذات تھی۔ حسنؑ اسی دور میں جوانی کی حدوں تک پہونچے اور کمال شباب کی منزلوں کو طے کیا پچیس برس کی خانہ نشینی کے بعد جب حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو مسلمانوں نے خلیفۂ ظاہری کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے بعد جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک جہاد میں حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ساتھ تھے بلکہ بعض موقعوں پر جنگ میں آپ نے کارنمایاں بھی دکھلائے۔

خلافت:- ۲۱ ماہ رمضان ۴۰ھ میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی وفات ہوئی اس وقت تمام مسلمانوں نے مل کر حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت تسلیم کی۔ آپ پر اپنے والد بزرگوار کی شہادت کا بڑا اثر تھا۔ سب سے پہلا خطبہ جو آپ نے ارشاد فرمایا اس میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل ومناقب تفصیل کے ساتھ بیان کئے۔ جناب امیرؑ کی سیرت اور مال دنیا سے پرہیز کا تذکرہ کیا اس وقت آپ پر گریہ کا اتنا غلبہ ہوا کہ گلے میں پھندا پڑ گیا اور تمام لوگ بھی آپ کے ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ پھر آپ نے اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل بیان کئے عبداللہ ابن عباس نے کھڑے ہوکر تقریر کی اور لوگوں کو بیعت کی دعوت دی سب نے انتہائی خوشی اور رضا مندی کے ساتھ بیعت کی آپ نے مستقبل کے حالات کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے اسی وقت لوگوں سے صاف صاف یہ شرط کردی کہ ''اگر میں صلح کروں تو تم کو صلح کرنا ہوگی اور اگر میں جنگ کروں تو تمہیں میرے ساتھ مل کر جنگ کرنا ہوگی۔'' سب نے اس شرط کو قبول کرلیا آپ نے انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اطراف میں عمال مقرر کئے، حکام متعین کئے اور مقدمات کے فیصلے کرنے لگے

یہ وقت وہ تھا کہ دمشق میں امیر شام معاویہ کا تخت سلطنت پر قبضہ مضبوط ہو چکا تھا۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ صفین میں جولڑائیاں امیر شام کی ہوئی تھیں ان کا نتیجہ تحکیم کی سازشانہ کاروائی کی بدولت امیر شام کے موافق نکل چکا تھا ادھر حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی سلطنت کے اندر جہاں اب امام حسنؑ حکمراں ہوئے تھے باہمی تفرقے اور بددلی پیدا ہو چکی تھی خود جناب امیرؑ کے احکام کی تعمیل میں جس طرح کوتاہیاں کی جاتی تھیں وہ حضرت کے آخر عمر کے خطبوں سے ظاہر ہے۔ خوارج نہروان کا فتنہ مستقل طور پر بے اطمینانی کا باعث بنا ہوا تھا جن کی اجتماعی طاقت کو اگر چہ نہروان میں شکست ہوگئی تھی مگر ان کے منتشر افراد اب بھی ملک کے امن و امان کو صدمہ پہنچانے پر تلے ہوئے تھے یہاں تک کہ بظاہر اسی جماعت کا ایک شخص تھا جس نے حضرت امیرؑ کے سر پر مسجد میں ضربت لگائی اور جس کے صدمہ سے آپ کی وفات ہوئی تھی۔

ابھی ملک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے غم میں سوگوار تھا اور حضرت امام حسنؑ پورے طور پر انتظامات بھی نہ کر چکے تھے کہ امیر شام کی طرف سے آپ کی مملکت میں دراندازی شروع ہوگئی اور ان کے خفیہ کارکنوں نے اپنی کارروائیاں جاری کر دیں چنانچہ ایک شخص قبیلہ حمیر کا کوفہ میں اور ایک شخص بنی قین میں سے بصرہ میں پکڑا گیا یہ دونوں اس مقصد سے آئے تھے کہ یہاں کے حالات سے دمشق میں اطلاع دیں اور فضا کو امام حسنؑ کے خلاف ناخوشگوار بنائیں غنیمت ہے کہ اس کا انکشاف ہوگیا۔ حمیر والا آدمی کوفہ میں ایک قصائی کے گھر سے اور قین والا آدمی بصرہ میں بنی سلیم کے یہاں سے گرفتار کیا گیا اور دونوں کو جرم کی سزا دی گئی اس واقعہ کے بعد حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''تم اپنی دراندازیوں سے باز نہیں آتے تم نے لوگ بھیجے ہیں کہ میرے ملک میں بغاوت پیدا کرائیں اور اپنے جاسوس یہاں پھیلا دیئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ تم جنگ کے خواہش مند ہوا ایسا ہو تو پھر تیار رہو یہ منزل کچھ دور نہیں ہے نیز مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم نے میرے باپ کی وفات پر طعن و تشنیع کے الفاظ کہے۔ یہ ہرگز کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہے، موت سب کے لیئے ہے آج ہمیں اس حادثے سے دوچار ہونا پڑا تو کل تمہیں ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے مرنے والے کو مرنے والا سمجھتے نہیں وہ تو ایسا ہے جیسے ایک منزل سے منتقل ہو کر دوسری منزل میں جا کر آرام کی نیند سو جائے۔''

اس خط کے بعد امیر شام اور امام حسنؑ کے درمیان بہت سے خطوط کی ردو بدل ہوئی۔ امیر شام کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے اہل کوفہ کے باہمی تفرقہ اور بددلی اور عملی کمزوریوں کا علم ہوگیا۔ اس لئے وہ سوچے کہ یہی موقع ہے کہ عراق پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنی فوجوں کو لے کر عراق کے حدود تک پہنچ گئے اس وقت حضرت امام حسنؑ نے بھی مقابلہ کی تیاری کی اور حجر بن عدی کو بھیجا کہ وہ دورہ کر کے اطراف ملک کے حکام کو مقابلے کے لئے آمادہ کریں اور لوگوں کو جہاد کے لئے تیار کریں مگر جو خیال تھا وہی ہوا کہ عام طور پر سردمہری سے کام لیا گیا تھوڑی فوج تیار ہوئی تو ان میں کچھ فرقہ خوارج کے لوگ تھے کچھ شورش پسند اور مال غنیمت کے طلبگار اور کچھ لوگ صرف اپنے سرداران قبائل کے دباؤ سے شریک تھے بہت کم وہ لوگ تھے جو واقعی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے شیعہ سمجھے جا سکتے ہوں۔

ادھر معاویہ نے عبداللہ ابن عامر ابن کریز کو آگے روانہ کیا اور اس نے مقام انبار میں جا کر چھاؤنی چھائی۔ ادھر حضرت امام حسنؑ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور مقام دیر کعب کے قریب ساباط میں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے لوگوں کی حالت کا جائزہ

لینے کے لئے سب کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''دیکھو مجھے کسی مسلمان سے کینہ نہیں ہے میں تمہارا اتنا ہی بہی خواہ ہوں جتنا خود اپنی ذات کی نسبت مجھے ہونا چاہیے۔ میں تمہارے بارے میں ایک فیصلہ کن رائے قائم کر رہا ہوں امید ہے کہ تم میری رائے سے انحراف نہ کرو گے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر کی ہمت جہاد سے پست ہوگئی ہے اور میں کسی طرح یہ صحیح نہیں سمجھتا کہ تمہیں بادل ناخواستہ کسی مہم پر مجبور کروں'' اس تقریر کا ختم ہونا تھا کہ مجمع میں ہنگامہ پیدا ہوگیا۔ یقیناً علیؑ ایسے بہادر باپ کا بہادر فرزند تن تنہا اس ہنگامہ آور جماعت کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی تھا —— اگر یہ کھلم کھلا دشمنوں کی جماعت ہوتی مگر اس کے پہلے خود حضرت علیؑ بھی اس وقت بظاہر بے بس ہوگئے تھے جب نیزوں پر قرآن اونچے کئے جانے کے بعد صفین میں خود آپ کی فوج کے آدمی آپ کو گھیر کر کھڑے ہوگئے تھے کہ آپ جنگ کو روکئے نہیں تو ہم آپ کو قید کر کے دشمن کے سپرد کر دیں گے اس وقت جناب امیر نے ایسا نہیں کیا کہ تلوار لے کر ان سے لڑنے لگتے بلکہ مجبوراً جنگ کو ملتوی فرمایا۔ اس سے زیادہ سخت صورت سے اس وقت امام حسنؑ کو سامنا کرنا پڑا کہ مجمع نے آپ پر حملہ کر دیا اور مصلا قدم کے نیچے سے کھینچ لیا۔ چادر آپ کے دوش سے اتار لی آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آواز بلند کی کہاں ہیں ربیعہ اور ہمدان فوراً یہ دونوں جاں نثار قبیلے ادھر ادھر سے دوڑ پڑے اور لوگوں کو آپ سے دور کیا۔ آپ یہاں سے مدائن کی طرف روانہ ہوئے مگر جراح ابن قبیصہ اسدی ایک شخص انہی خوارج میں سے کمین گاہ میں چھپ گیا اور اس نے آپ پر خنجر سے حملہ کیا جس سے آپ کی ران زخمی ہوگئی حملہ آور گرفتار کیا گیا اور اسے سزا دی گئی۔ عرصہ تک مدائن میں علاج ہونے کے بعد آپ اچھے ہوئے اور پھر معاویہ کی فوج سے مقابلہ کی تیاری کی۔

صلح:۔ امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بے وفائی کا حال معلوم ہو چکا تھا اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسن علیہ السلام کے لئے جنگ کرنا ممکن نہیں ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسنؑ کتنے ہی بے بس اور بے کس ہوں مگر وہ علیؑ وفاطمہؑ کے بیٹے اور پیغمبرؐ کے نواسے ہیں اس لئے وہ ایسے شرائط پر ہرگز صلح نہ کریں گے جو حق پرستی کے خلاف ہوں اور اور جن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو اس کو نظر میں رکھتے ہوئے انہوں نے ایک طرف تو آپ کے ساتھیوں کو عبداللہ ابن عامر کے ذریعہ سے یہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے پیچھے نہ پڑو اور خوں ریزی نہ ہونے دو۔ اس سلسلے میں کچھ لوگوں کو رشوتیں بھی دی گئیں اور کچھ بزدلوں کو اپنی تعداد کی زیادتی سے خوف زدہ کیا گیا اور دوسری طرف حضرت امام حسنؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انہی شرائط پر میں صلح کے لئے تیار ہوں۔

امام حسنؑ یقیناً اپنے ساتھیوں کی غداری کو دیکھتے ہوئے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرور پیش نظر تھا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ باطل کی تقویت کا دھبا میرے دامن پر نہ آنے پائے۔ اس گھرانے کو حکومت واقتدار کی ہوس تو کبھی تھی ہی نہیں انہیں تو مطلب اس سے تھا کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوق الٰہی کا اجراء ہو اب امیر معاویہ نے جو آپ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی تو اب مصالحت سے انکار کرنا شخصی اقتدار کی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں قرار پا سکتا تھا۔ یہ کہ امیر شام صلح کے شرائط پر عمل نہ کریں گے بعد کی بات تھی جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے آ کہاں سکتا تھا اور حجت تمام کیونکر ہوسکتی تھی پھر بھی

آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کو جمع کیا اور تقریر فرمائی ''آگاہ رہو کہ تم میں دو خوں ریز لڑائیاں ہو چکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے کچھ مقتول صفین میں ہوئے جن کے لئے آج تک رو رہے ہو اور کچھ مقتول نہروان کے جن کا معاوضہ طلب کر رہے ہو، اب اگر تم اپنی موت پر راضی ہو تو ہم اس پیغام صلح کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ کے بھروسے پر تلواروں سے فیصلہ کرائیں اور اگر زندگی کو دوست رکھتے ہو تو ہم اس کو قبول کر لیں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں'' جواب میں لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع کیا کہ ''ہم زندگی چاہتے ہیں، ہم زندگی چاہتے ہیں آپ صلح کر لیجئے۔'' اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ نے صلح کے شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کئے۔

شرائط صلح:۔ اس صلحنامہ کے مکمل شرائط حسب ذیل تھے:

۱۔ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کریں گے۔

۲۔ یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نام زد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

۳۔ یہ کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی۔

۴۔ یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی ہیں وہاں ان کے جان و مال اور ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے۔

۵۔ معاویہ حسنؑ ابن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ ابن علیؑ اور خاندان رسولؐ میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے نہ خفیہ طریقہ پر اور نہ علانیہ۔ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرایا نہیں جائے گا۔

۶۔ جناب امیر علیہ السلام کی شان میں کلمات نازیبا جو اب تک مسجد جامع اور قنوت نماز میں استعمال ہوتے رہے ہیں وہ ترک کر دیئے جائیں۔ آخری شرط کی منظوری میں معاویہ کو عذر ہوا تو یہ طے پایا کہ کم از کم جس موقع پر امام حسنؑ موجود ہوں اس موقع پر ایسا نہ کیا جائے۔ یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاول ۴۱ھ کو عمل میں آیا۔

صلح کے بعد:۔ فوجیں واپس چلی گئیں معاویہ کی شہنشاہی ممالک اسلامیہ میں عمومی طور پر مسلم ہو گئی اور اب شام و مصر کے ساتھ عراق و حجاز، یمن اور ایران نے بھی اطاعت کر لی حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس صلح کے بعد اپنے بہت سے ساتھیوں کی طرف سے جس طرح کے دل خراش اور توہین آمیز الفاظ کا سامنا کرنا پڑا ان کا برداشت کرنا انہی کا کام تھا وہ لوگ جو کل تک امیر المومنین کہہ کر تسلیم بجالاتے تھے آج ''مذل المومنین'' یعنی مومنین کی جماعت کو ذلیل کرنے والے کے الفاظ سے سلام کرنے لگے۔ پھر بھی امام حسنؑ نے صبر و استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناگوار حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے مگر ادھر یہ ہوا کہ امیر شام نے جنگ کے ختم ہوتے ہی اور سیاسی اقتدار کے مضبوط ہوتے ہی عراق میں داخل ہو کر نخیلہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہیے قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ ''میرا مقصد جنگ سے کوئی یہ نہ تھا کہ تم لوگ نماز پڑھنے لگو، روزے رکھنے لگو، حج کرو یا زکوٰۃ ادا کرو، یہ سب تم تو کرتے ہی ہو میرا مقصد تو بس یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلم ہو جائے اور یہ مقصد میرا حسن کے اس معاہدہ کے بعد پورا ہو گیا اور باوجود تم لوگوں کی ناگواری کے خدا نے مجھے کامیاب کر دیا۔ رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسنؑ کے ساتھ کئے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے

ہاتھ کی بات ہے۔'' مجمع میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا مگر اب کس میں دم تھا کہ وہ اس کے خلاف زبان کھولتا انتہا ہے کہ کوفہ میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی موجودگی میں امیر شام نے حضرت امیر اور امام حسنؑ کی شان میں کلمات نازیبا استعمال کیے جن کو سن کر امام حسینؑ بھائی کی جانب سے جواب دینے

کے لئے کھڑے ہو گئے مگر امام حسنؑ نے آپ کو بٹھا دیا اور خود کھڑے ہو کر نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں امیر شام کی تقریر کا جواب دیا۔ اسی طرح جتنی معاہدہ کی شرطیں تھیں امیر شام نے سب کی مخالفت کی اور کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا۔

باوجودیکہ آپ بالکل خاموشی کی زندگی گزار رہے تھے مگر آپ خود بھی اس دور میں بنی امیہ کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہیں تھے۔ ایک طرف غلط پروپیگنڈے اور بے بنیاد الزامات جن سے ان کی بلندی مرتبہ پر عام نگاہوں میں حرف آئے مثلاً کثرت ازدواج اور کثرت طلاق یہ چیز اپنی جگہ پر شریعت اسلام میں جائز ہے مگر بنی امیہ کے پروپیگنڈے نے اس کو حضرت امام حسنؑ کی نسبت ایسے ہولناک طریقہ پر پیش کیا جو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ دوسرے بنی امیہ کے ہواخواہوں کا برابر تاؤ، سخت کلامی اور دشنام دہی اس کا اندازہ امام حسینؑ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو آپ نے مروان سے فرمائے تھے جب امام حسنؑ کے جنازے کے ساتھ مروان رو رہا تھا امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ''آج تم روتے ہو حالانکہ اس کے پہلے تم انہیں غم وغصہ کے گھونٹ پلاتے تھے جنہیں دل ہی خوب جانتا ہے۔'' مروان نے کہا ٹھیک ہے مگر وہ سب میں ایسے انسان کے ساتھ کرتا تھا جو اس پہاڑ سے زیادہ قوت برداشت رکھنے والا تھا۔

اخلاق و اوصاف :۔ امام حسنؑ کی ایک غیر معمولی صفت جس کے دوست اور دشمن سب معترف تھے وہ یہی حلم کی صفت تھی جس کا اقرار ابھی مروان کی زبان سے آپ سن چکے ہیں۔ حکومت شام کے ہواخواہ صرف اس لیے جان بوجھ کر سخت کلامی اور بدزبانی کرتے تھے کہ امام حسنؑ کو غصہ آجائے اور کوئی ایسا اقدام کردیں جس سے آپ پر عہد شکنی کا الزام عائد کیا جاسکے اور اس طرح خوں ریزی کا ایک بہانہ ہاتھ آئے مگر آپ ایسی صورتوں میں حیرتناک قوت برداشت سے کام لیتے تھے جو کسی دوسرے انسان کا کام نہیں ہے۔ آپ کی سخاوت اور مہمان نوازی بھی عرب میں مشہور تھی آپ نے تین مرتبہ اپنا تمام مال راہ خدا میں لٹا دیا اور دو مرتبہ تمام اپنی ملکیت، یہاں تک کہ اثاث البیت اور لباس تک کو آدھوں آدھ راہ خدا میں دیدیا۔

سائلوں کو ایک دفعہ میں ہزاروں روپے دے دیئے ہیں اور حقیقت میں معاویہ کے ساتھ شرائط صلح میں جو بہت سے مورخین کے بیان کے مطابق ایک خاص رقم کی شرط ملتی ہے کہ معاویہ کی جانب سے ہر سال امام حسن علیہ السلام کے پاس روانہ کی جائے وہ اگر صحیح ہو تو اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ اس ذریعہ سے مسلمانوں کے بیت المال کا کچھ روپیہ مستحقین تک بھی پہنچ سکے۔ ہرگز اپنی ذات پر صرف کرنے کے لئے آپ نے اس رقم کی شرط قرار نہیں دی تھی۔ چنانچہ جو کچھ پاس موجود ہوتا تھا چاہے زیادہ سے زیادہ رقم کیوں نہ ہو آپ فوراً سائلوں کو عطا فرما دیتے تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ''باوجودیکہ آپ خود ضرورتمند ہیں پھر بھی کیا بات ہے کہ سائل کو رد نہیں فرماتے۔'' آپ نے فرمایا ''میں خود خدا کی بارگاہ کا سائل ہوں مجھے شرم آتی ہے کہ خود سائل ہوتے ہوئے دوسرے سائلوں کے سوال کو رد کروں اس صورت میں مجھے کیا حق ہوگا کہ میں اپنے خدا سے اپنے سوال کے پورا ہونے کی تمنا رکھوں۔''

اس کے ساتھ آپ کے علمی کمالات بھی وہ تھے جن کے سامنے دنیا سرخم کرتی تھی۔ اگر چہ عبداللہ بن عباس امیر المومنینؑ سے حاصل کیے ہوئے علوم سے دنیائے علم میں اپنا ڈنکا بجا رہے تھے مگر جب امام حسنؑ کے خداداد علم کا سامنا ہوجاتا تھا تو خاندان رسالت کی بزرگی کا دنیا کو اقرار کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک سائل نے مسجد نبوی میں آکر ایک آیت کی تفسیر ابن عباس سے پوچھی، عبداللہ ابن عمر سے بھی پوچھی اور پھر امام حسنؑ سے دریافت کی اور آخر میں اس نے اقرار کیا کہ امام حسن علیہ السلام کا جواب یقیناً ان دونوں سے بہتر تھا۔ اکثر آپ نے اپنے دشمن معاویہ کے دربار اور وہاں کے مخالف ماحول میں فضائل اہل بیتؑ اور مناقب امیر المومنینؑ پر ایسی موثر تقریریں فرمائیں ہیں کہ دشمنوں کے سر جھک گئے اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور حقانیت کا ان کے دلوں پر سکہ قائم ہوگیا۔

عبادت بھی آپ کی امتیازی حیثیت رکھتی تھی، بیس یا پچیس حج پا پیادہ کئے جب موت، قبر، قیامت اور صراط کو یاد فرماتے تھے تو رونے لگتے تھے، جب بارگاہ الٰہی میں اعمال کے پیش ہونے کا خیال آتا تھا تو ایک نعرہ مار کر بیہوش ہوجاتے تھے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو جسم لرزنے لگتا تھا۔

وفات:۔ اس بے ضرر اور خاموش زندگی کے باوجود بھی امام حسن علیہ السلام کے خلاف وہ خاموش حربہ استعمال کیا گیا جو سلطنت بنی امیہ میں اکثر صرف کیا جارہا تھا، امیر شام نے اشعث ابن قیس کی بیٹی جعدہ کے ساتھ جو حضرت امام حسن علیہ السلام کی زوجیت میں تھی ساز باز کر کے ایک لاکھ درہم انعام اور اپنے فرزند یزید کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا اور اس کے ذریعہ سے حضرت کو زہر دلوایا، امام حسنؑ کے کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور حالت خراب ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کو پاس بلایا اور وصیت کی کہ اگر ممکن ہو تو مجھے جد بزرگوار رسولؐ خدا کے جوار میں دفن کرنا لیکن اگر مزاحمت ہو تو ایک قطرہ خون گرنے نہ پائے میرے جنازے کو واپس لے آنا اور جنت البقیع میں دفن کرنا۔ ۲۸/صفر ۵۰ھ کو امام حسنؑ دنیا سے رخصت ہوگئے حسینؑ حسب وصیت بھائی کا جنازہ روضۂ رسولؐ کی طرف لے گئے مگر جیسا کہ امام حسنؑ کو اندیشہ تھا وہی ہوا۔ ام المومنین عائشہ اور مروان وغیرہ نے مخالفت کی نوبت یہ پہنچی کہ مخالف جماعت نے تیروں کی بارش کردی اور کچھ تیر جنازۂ امام حسنؑ تک پہنچے بنی ہاشم کے اشتعال کی کوئی انتہا نہ تھی مگر امام حسین علیہ السلام نے بھائی کی وصیت پر عمل کیا اور امام حسن علیہ السلام کا تابوت واپس لاکر جنت البقیع میں دفن کردیا۔

اقوال امام حسن علیہ السلام:

* گناہوں سے بچو کیونکہ گناہ انسان کو نیکیوں سے محروم کردیتا ہے۔
* تیز چلنے سے مومن کا وقار کم ہوتا ہے اور بازار میں چلتے ہوئے کھانا پستی کی علامت ہے۔
* بری عادتیں جاہلوں کی معاشرت میں اور نیک خصائل عقلمندوں کی صحبت سے ملتے ہیں۔
* ذلیل ہوجانا آتش جہنم سے زیادہ آسان ہے۔
* جسمانی طور پر دنیا میں زندگی بسر کرو اور قلبی طور پر آخرت کی طرف مائل رہو۔